جمیلہ ہاشمی کے مرکزی کردار اور ماورائیت کی تمنا

ڈاکٹر سفیر حیدر، اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اُردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور

Abstract

Jamila Hashmi is renowned novelist and short story writer. She has idealistic approach in her fiction. The chief characters of her novels have strong belief in idealism. This article discusses this point with references to Dasht-e-Soos & Talash-e-Baharan.

جمیلہ ہاشمی کے ناولوں کے مرکزی انسان عام معاشرتی رویوں کے طے شدہ راستوں سے ہٹ کر زندگی گزارنے کا جتن کرتے ہیں۔ ان کے نصابِ زیست کی کسی کتاب میں 'مادے کی اہمیت' والا باب شامل نہیں ہوتا بلکہ روحانی ارتقاع اور روشنی کی تلاش ان کی ترجیح اوّل ٹھہرتی ہے۔ ان کے لیے دُنیاوی حرص و ہوس، شہرت، کشش اور بیرونی شور وغل یکسر بے معنی ہے لیکن ہر لحہ ہمہ تن گوش ہو کر داخلی وجود کی صدا پر کان دھرے رکھتے ہیں اور ایک ذرا سی آہٹ نما سرگوشی پر ایک لمحے میں بغیر کسی تامّل کے لبیک کہتے ہیں۔ ان کرداروں کے اعمال اور پھر ان کے انجام اُن کی اسی اضطراری سرشت میں پنہاں ہیں۔ جب اپنی دُھن میں ڈوبے، اپنی لگن کے اسیر، اپنے عشق میں سچّے، ماوراء سے بھی ماوراء جانے کے آرزومندانِ شوق، فریدالدین عطار کے یہ پرندے اپنی ہستی کے سراغ میں 'بصد سامانِ رسوائی' سرِ بازار نکلتے ہیں تو ان کے پاس علائقِ دُنیا سے دستبرداری کے علاوہ کوئی سہولت کا راستہ میسر ہی نہیں ہوتا۔ ان کے لیے دنیاوی زندگی کا ہر مرحلہ راستے کا پتھر یا نظر انداز کر دیئے جانے والا عارضی پڑاؤ ہے۔ دائمی منزل پر نظریں چپکائے رکھتے ہیں اور منزلیں وہ منتخب کرتے ہیں جس کے لیے ظاہری رسوم و قیود کو توڑنا لازم ٹھہر جاتا ہے۔ دراصل ان کو اپنی ہستی کی بقا ہی اسی میں نظر آتی ہے کہ ہر دُنیاوی زنجیر کو فنا کی بھینٹ چڑھا دیں بقول ڈاکٹر سہیل احمد خاں: ''جو دوسروں کی آنکھ کو سمندر دکھائی دیتا ہے، اُن اہلِ شوق کے لیے تنگ تالاب کا درجہ رکھتا ہے چنانچہ المیہ انجام ان کی سرشت میں پوشیدہ تھا۔ منصور حلاج کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ پہلے اس کے اعضاء قطع کیے گئے، پھر اُسے مصلوب کیا گیا اور پھر نعش کو جلایا گیا۔ یعنی محبت بھی اس کی سیمابی کیفیت سے ہم آہنگ نہیں پُر تشدد موت ہی ہم آہنگ ہو سکتی ہے۔ یہی پُر تشدد موت قرۃ العین طاہرہ کا مقدر بنی ہے۔''[۱]

''چہرہ بچہرہ رُوبرو'' کی رونمائی کے موقع پر یہ سوال کیا گیا کہ آخر جمیلہ ہاشمی کو ایسے سوختہ تن و عاشق تن کردار کیوں پسند ہیں؟ ایک جگہ وہ اس کا جواب یوں دیتی ہیں:

''وہ لوگ بدیسی حوالوں سے بات کرتے ہیں اور اپنے کلچر تک یوروپ کے واسطے سے درآمد کرکے خوشی محسوس کرتے ہیں تو پھر اُمِّ سلمٰی، قرۃالعین زریں تاج طاہرہ کی زندگی مجھے کیوں اتنی پرکشش نظر آتی ہے۔ وہ کون سی بات تھی جو مجھے پچھلی صدی کے ایران میں لے گئی۔ آتش زیر پا رکھنے والی ''بـاب'' کی مقلدہ انقلاب آفرین شعلہء جوالہ خاتون جس کی آپ بیتی میں ایک عظیم المیے کی ساری ممکنات ہیں ایسی ممکنات جو ایک یونانی دیو مالا کہانی کے مقابل رکھی جاسکتی ہیں۔شیکسپیئر کے ڈراموں کے سمرخلد جن کی دل شکستگی، حرماں نصیبی میں قدرت کی بے پرواہی اور مقدر کی سیاہی کارفرما ہے۔عناصر کے سامنے آدمی کیسا ذرّہ ناچیز ہے۔ صابروشاکر ہونے کے باوجود طوفانوں سے لڑ جانے کا حوصلہ رکھتا ہے۔''۲

بقول مختار زمن:''طاہرہ نے اپنی انا کو قربان کر کے فنا کو قبول کیا۔''۳

جمیلہ ہاشمی کے ناول ''دشـتِ سـوس'' کا مرکزی کردار حسین بن منصور ان کی ناول نگاری میں نمائندہ ترین انسان ہے اور ان کے کرداروں سے منسوب مذکورہ شعلہء اضطراب کی سب سے بڑی علامت ہے۔علامہ اقبال کے یہاں بھی جب ''فلک مشتری پر زندہ رود حلاج، غالب اور قرۃالعین طاہرہ کی ارواحِ جلیلہ کو سامنے پاتا ہے تو حلاج سے اس کا پہلا سوال یہ ہے ''از فردوسِ مہجوری چرا؟'' اور حلاج کا جواب یہ ہے کہ عاشق کی جگہ چاہے جنت ہی کیوں نہ ہو مستقل قیام نہیں کرتا۔''۴

تصوف اور وحدت الوجود کے مباحث میں بھی ''دشتِ سوس'' کے مرکزی کردار حسین بن منصور حلاج کو زیرِ بحث لایا گیا ہے اور یہ کردار کسی حد تک اپنے داخلی وجود کے منظر نامے میں گم ہوتے تھے اس کی جانب اشارے ملتے ہیں۔''القول المنصور کے مصنف نے کتاب کے شروع میں ایک واقعہ درج کیا ہے کہ منصور کو نماز پڑھتے دیکھ کر کسی نے اس سے پوچھا تُو تو انا الحق کا نعرہ لگاتا پھرتا ہے پھر یہ نماز کیوں؟ آخر جب تو حق ہے تو پھر سجدہ کس کو کر رہا ہے۔منصور نے جواب دیا میرا ظاہر میرے باطن کو سجدہ کر رہا ہے۔''۵

دشتِ سُوس کا مرکزی کردار حسین دوطرفہ وراثتی خصوصیات سے گندھا ہوا وجود ہے۔ایک تو وہ ایک آتش پرست کا پوتا ہے جس کے سبب اس کے خمیر میں ایک التہاب مضمر ہے۔اس کے وجود کا دوسرا بنیادی عنصر اس کے باپ منصور کا ودیعت کردہ ہے جس نے قبولِ اسلام کے بعد مذہبی شعائر سے والہانہ لگاؤ کو مذہب کے روحانی پہلو کو حسین تک منتقل کر دیا ہے۔دشتِ سُوس میں روح کے ویرانوں میں بہار لانے کا تمنائی حسین بن منصور عجیب وغریب خلش، داخلی تپش اور بے آب و گیاہ مفاہمت میں مبتلا ہے۔''دشـتِ سوس'' استعارہ ہے اس Dryness of Soul کا جسے ازاوّل تا آخر پیش کیا گیا ہے۔''۶

اسلوب احمد انصاری، حسین کے حوالے سے اس کے کردار کی داخلی اور خارجی پرتوں کو مختلف حوالوں سے بے نقاب کرتے ہیں:

''مجمی آتش پرست کا پوتا ہونے کے ناطے حسین کے خمیر میں وہ التہاب مضمر ہے، جو اسے وراثت کے طور پر ملا ہے......حسین کے باپ منصور اپنے باپ مجمی کی زندگی میں ہی مشرف بہ اسلام ہو گیا تھا...... یہ دونوں رشتے حسین بن منصور کی سائیکی کے اسٹرکچر کو سمجھنے میں ضرور مدد و معاون ہوتے ہیں یعنی ایک طرف وہ آتشِ شوق ہے جو حسین کو مدام حالتِ اضطراب میں رکھتی ہے اور دوسری طرف مذہبی شعائر کی ادائیگی سے وہ شیفتگی اور انہماک ہے جو اس کے اپنے باپ منصور سے اُسے ملا ہے۔''۷

''حسین بن منصور ہر حوالے سے ایک غیر معمولی کردار ہے۔ خاموش، دروں بیں، ماحول سے یکسر بے گانہ، حسی کشش اور لذتوں سے کنارہ کش، ذاتی مفادات سے مجتنب، اصول وضوابط کی پابندی میں سخت گیر، ایثار وقربانی کے جذبے سے مملو اور سرشار، ماوراء سے لو لگانے میں فقید المثال، نفس کی گہرائیوں میں غوطہ زنی کرنے والا، ضبط وعمل، قناعت و استغنا، توبہ و استغفار میں لاثانی اور ان سب پر مستزاد ایک شعلۂ مستعجل۔''۸

''حسین ایک مضطرب اور سیماب آسا روح ہے جو ماوراء سے بھی ماوراء جانا چاہتا ہے اور وہ بھی صرف اپنے ایقانات کی روشنی میں۔ یہ محض شریعت اور طریقت کی گزرگاہوں کے درمیان فرق اور بُعد کا معاملہ نہیں ہے وہ تو ان دونوں سے آگے نکل جانے پر مُصر ہے کیونکہ بالآخر یہ دونوں ہی معدوم ہو جاتی ہیں اور عاشقِ صادق اور محبوبِ ازلی کے درمیان کوئی دوری باقی نہیں رہ جاتی۔''۹

اسلوب احمد انصاری نے مقدر یا مقدرات (Peterminism) کو دشتِ سوس کا کلیدی لفظ قرار دیا ہے اور ان کے نزدیک ''حسین اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ انسان مقدرات کے سلسلے میں مجبورِ محض ہے اور پابہ زنجیر ہے اور کچھ ایسی ماورائی طاقتیں ہیں جنہوں نے انسان کی زندگی کو حتمی طور پر متعین کر دیا ہے۔'' (پندرہ ناول، ص،۳۵۴) شیخ نے بھی اس لیے کہا کہ ''ہر شے کا وقت معین ہے، ازل سے جو مقدرات قائم ہو چکے ہیں، ان پر خوش رہو۔''۱۰

حسین اور اغول کا معاملہ بھی انتہائی دلچسپ اور علامتی معنوی دبازت کا حامل ہے۔ اغول عشقِ مجازی کا استعارہ ہے بلکہ اس سے بڑھ کر عشقِ حقیقی کی جانب رواں مسافر کے لیے سنگِ میل کا درجہ رکھتا ہے کیونکہ اوّلین وحدت الوجودی تجربے کی بازگشت اغول اور حسین کے رشتے میں سُنائی دیتی ہے کیونکہ حسین کو اپنے آپ میں سے اغول کی خوشبو آنے لگی تھی، دل میں گھنٹیاں سی بج اُٹھتیں اور ایک نام سنائی دیتا تھا اور حسین کے دل

سمندر میں اغول کی ذات سے وابستہ مدو جزر کے مناظر بار ہا سامنے آتے ہیں کیونکہ اس کے سامنے اغول کا نام لیا جاتا تو وہ ساری جان سے کانپ اٹھتا جیسے سخت سردی سے بخار چڑھنے کی کیفیت ہواور پھر''ایک دم موت کی زردی اس کے چہرے پر کھُنڈ گئی۔ اُسے لگا ایک زمانہ اُسے یہاں ٹھہرے ہوئے ہو گیا ہے اور پلکیں ایک دوسرے سے چپک گئی ہیں۔ وہ کبھی آنکھیں کھول نہیں سکے گا۔اغول کی طرف دیکھنے کی ساری کوشش کے باوجود وہ نگاہ نہیں اُٹھا سکا۔''[۱۱]

حسین بن منصور حامد کے جذبہِ حسد اور انتقام کا نشانہ بنتا ہے۔اس کی موت اس کے تصورِ حیات کی تعبیر بن کر سامنے آتی ہے:

''حبشی نے اس کے پاؤں کاٹے۔ چھری کند تھی۔ ریشہ ریشہ کٹ رہا تھا۔حسین کا چہرہ زرد تھا۔حامد کا پیغام آیا اگر وہ اب بھی زندہ ہے تو اس کے ہاتھ کاٹ ڈالو!

کٹے ہوئے ہاتھوں سے خون بہتا دیکھ کر اس نے منہ پر مل لیا...... وضو کر رہا ہوں تا کہ نمازِ عشق ادا ہو جائے۔وہ آقائے رازی کو جواب دیتا ہے......''ایک جان ہی تو تھی جو راہ میں حائل تھی۔اب میں آزاد ہوں جب منصور نے خون سے وضو کیا تو حامد نے کہا۔''بے مثال عاشق'' ہے۔''

قاضی ابوعمر نے کانپ کر کہا۔''کہیں ہم سے غلطی تو نہیں ہوئی۔یہ بھی ممکن ہے کہ وہ خدا کے تعلق میں بہت آگے نکل گیا ہو۔'' اور جب منصور آزاد ہو گیا تو حامد نے حکم دیا۔''جاؤ!اس کے جسدِ خاکی کو جلا دو۔خاک اڑا دو۔اس کی انا کو میں نے قتل کر دیا ہے اب وہ حق کو کیسے پکارے گا۔''[۱۲]

''قربِ الٰہی کا خواہاں شخص روح کو شق کیے بغیر قرب حاصل نہیں کر سکتا مگر اس راستے میں دو ہزار آگ کے پہاڑ اور ایک ہزار ہلاکت خیز بحرِ بے کراں ہیں جو ان دونوں سے خائف ہوئے بنا راستہ طے کرنا چاہے وہ ہی اس میں قدم رکھے۔''

''اگر تم اعتراف کرلو تو رہائی ممکن ہے۔'' عمار نے کہا۔''اس سجدے کا اقرار جو میں ابھی نہیں کر سکا اس سجدے کا اعتراف جو ابھی میری جبیں میں خوابیدہ ہے۔اس سجدے کا اقرار جس کے بعد یا سر رہتا ہے یا سجدہ۔'' حسین بیٹے سے قریب ہو گیا تھا۔''[۱۳]

حسین حدودِ وقت سے آگے نکلے ہوئے انسان کی تصویر ہے شاید اسی لیے فصیلِ جسم پر تازہ لہو کے چھینٹے ہیں۔حسین اور اس کے دادا مجمی کے دوست سیادش کی گفتگو کے ذریعے انسان اور زمان کے باہمی رشتے پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

''وقت سب بھیدوں کو جاننے والا اور انہیں کھولنے والا ہے تم اور میں اور ہم سب یہ ساری

کائنات اسی کے تابع ہیں اور پھر بھی آدمی کبھی کبھار صدیوں میں ایک بار وقت سے آگے نکل جاتا ہے۔ وقت پیچھے رہ جاتا ہے۔ وقت اور آدمی آنکھ مچولی کھیلتے ہیں۔''

''کیسے؟'' حسین نے محظوظ ہوتے ہوئے کہا:

''کہیں دُنیا کے کسی خطے میں، کسی گوشے میں پہاڑوں کی بلندیوں سے پرے وادیوں کے گھیرے میں ایک آدمی پیدا ہوتا ہے جو اس وقت کے بہتے دھارے کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے، سیاوش حسین سے زیادہ اپنے آپ سے باتیں کر رہا تھا دھارے کو روک دیتا ہے۔ وقت تھم جاتا ہے۔'' ۱۴

''ایک وقت غیر فانی ہے جو انسانی ادارک سے باہر ہے۔ اس حوالے سے یہ بامعنی بیان ملتا ہے جس سے ہم شناسا نہیں ہیں۔'' ۱۵

ایک صوفی انسان کے لیے وقت کی اہمیت، صلاحیت اور اس کا دورانیہ مختلف ہے ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ کے الفاظ میں:

> Ehend the point of interrection of the timeless with time is an occupation for the saint. (The Dry Saluages) ۱۶

اس حوالے سے اقبال رقم طراز ہیں:

''اناالحق کے مفہوم اور حقیقت کے حوالے سے خطبات ''صوفی کا حال ایک لمحہ ہے کسی ایسی فرید و وحید اور یکتا ہستی سے گہرے اتحاد کا جو اس کی ذات سے ماوراء مگر اس کے باوجود اس پر محیط ہو گی اور جس میں صاحبِ واردات کی شخصیت گویا ایک لمحے کے لیے کالعدم ہو جاتی ہے۔'' ۱۷

جمیلہ ہاشمی کے نسوانی کردار اگرچہ حوصلہ مند ہیں لیکن معاشرے کی غیر مساوی مردانہ برتری کے نرغے میں گھرے ہوئے ہیں۔ مرد وزن کی یہ غیر مساوی تفریق تلاشِ بہاراں میں کئی کرداروں کے ذریعے سامنے لائی گئی ہے۔ ''تلاش بہاراں'' کی عورتیں دکھوں کی دلدل میں دھنسی ہوئی ہیں اور ان میں وہ دم خم نہیں ہے جس کی جھلکیاں آتشِ رفتہ یا روہی کے نسوانی کرداروں میں نظر آتی ہے، جو ظالم مرد کو عبرتناک انجام سے دوچار کرنے میں بالآخر کسی طور کامیاب ہیں۔ تلاشِ بہاراں کے نسوانی کرداروں کے حوالے سے ڈاکٹر اسلم سروہی نے نشاندہی کی ہے کہ کرشنا، دنیا، نیرا، میرا اور شوبھا بینر جی، سب مرد کے ہاتھوں توہین آمیز واقعات سے گزر چکی ہیں اور ''ان میں سے بعض...... مثلاً میرا اور شوبھا...... گو جدید مغربی ذہن کی حامل ہیں لیکن بحیثیت مجموعی ان کے مسائل بھی یکساں ہیں، یہ سب بنیادی انسانی حقوق کے لیے ترساں ہیں۔'' ۱۸

مذکورہ استحصال زدہ کرداروں میں سے میرا کے کردار کے ذریعے مرد کے دُہرے معیار کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ رادھے کرشنن جس کے لیے عورتیں کھلونے تھیں جن سے کھیلنے کے بعد وہ توڑ دیتا ہے اور اس کے ہاتھوں ''ٹوٹے ہوئے کھلونے دوسروں کی راہوں میں بکھر جاتے ہیں اور عورت ایک ٹھیکری کی طرح ایک دروازے سے دوسرے دروازے کی طرف ایک ٹھوکر سے دوسری ٹھوکر کی طرف بڑھتی جاتی ہے۔''۱۹ وہی رادھے کرشنن اس وقت باؤلا ہو کر اپنی بیٹی میرا کو قتل کر دیتا ہے جب وہ اپنے طبلچی استاد کو جیون ساتھی کے طور پر چننے کی جسارت کرتی ہے وہ سمجھتا ہے کہ میرا نے عورت ذات کی توہین کا نا قابلِ معافی جرم کیا ہے۔ اس کے اپنے الفاظ میں ''میرا نے اپنا نہیں، خاندان کا اور کُل عورت ذات کا اپمان کیا ہے'' اس خیال کے ساتھ وہ بے دردی سے میرا کو قتل کر دیتا ہے۔ ''میرا چیخ کر دوہری ہو گئی، نہیں بابا، نہیں بابا...... اور پھر میں نے چیختی ہوئی میرا کا گلا دونوں ہاتھوں سے دبا دیا۔ وہ بڑی بڑی سوئی سوئی سی آنکھیں میری آنکھوں کے اتنے قریب تھیں کہ میں ان میں بے بسی دیکھ سکتا تھا۔''۲۰

رادھے کرشنن کی اس بہیمیت پر مرد و زن کے لیے غیرت اور عزت کے الگ الگ معیارات کے حوالے سے اور اس غیر فانی انسانی تفاوت پر ڈاکٹر اسلم سروہی کا یہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ ''اگر اس کا کوئی بیٹا ایسی حرکت کرتا، تو یقیناً وہ اسے معاف کر دیتا۔''۲۱

جمیلہ ہاشمی کے نمائندہ نسوانی کرداروں میں تنوع ان کی غیر جانبدارانہ فکری سطح کی دلیل ہے۔ انہوں نے جہاں کنول کماری جیسی مضبوط عورت دکھائی ہے جو زندگی مثبت اقدار کے ساتھ بسر کرنا چاہتی ہے وہاں انہوں نے بظاہر مضبوط مگر اندر سے کمزور ان عورتوں کو بھی پیش کیا ہے جو پذیرائی اور زندگی کے لذیز پہلوؤں سے لطف اندوزی کو اخلاقی اقدار پر ترجیح دیتی ہیں۔ ایسے نسوانی روپ کا نمائندہ کردار ''تلاش بہاراں'' میں 'شوبھا بنیر جی' کا ہے۔ وہ چمکتی دمکتی کاروں اور مقتدر نو دولتیے طبقے کی خلوتوں کی زینت بنتی ہے اور اپنی 'جاندار مسکراہٹ' سے جنسِ مخالف پر فتح پا کر پھر تادیر اس فتح کے نشے میں سرشار رہتی ہے لیکن بعد ازاں روپ کے ڈھلتے ہی سب آن بان ختم ہو جاتی ہے اور وہ اس نتیجے پر پہنچتی ہے اور ان الفاظ میں اپنی زندگی کے شب و روز کو سمیٹتی ہے:

> ''میں نے سوچا اگر میں دھرتی ہی ہوں تو میں پاؤں میں کیوں لپٹی رہوں پھر میں نے روپ بدلے، ہواؤں کے کندھوں پر سوار ہو کر، خوشبو بن کر میں نے دُور دُور چکر لگایا ہے۔ پھول بن کر میں کئی دامنوں کی زینت رہی ہوں۔ مندر کی مورتی بن کر بھی میری تمنائیں پوری نہیں ہوئیں اور نئے نئے روپ بدلتے بدلتے تھک کر میں پھر دھرتی بننا چاہتی ہوں۔ میں ایسی مٹی تو نہیں بن سکتی، جس کو لوگ ماتھے پر چڑھائیں، پھر ایسی مٹی تو بن سکتی ہوں، جس کو لوگ پاؤں تلے روندیں۔''۲۲

کنول کماری جمیلہ ہاشمی کا نمائندہ ترین نسوانی کردار ہے اس کردار میں اُن کے دل و دماغ کی آواز صاف سنائی دیتی ہے ۔وہ سلجھی ہوئی باغی لڑکی ہے ۔وہ عورت کو انسان تسلیم کرانے کے سفر پر نکل کھڑی ہوتی ہے تو اس کو مردانہ مخالفت کے عملی مظاہروں کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔کبھی وہ معاشرے کی جانب سے مردود قرار دی گئی۔ کرشنا بوس کے مقدمے کی پیروی کرتی ہے تو برہمن ردِعمل میں اس کے گھر ڈاکا ڈالتے ہیں ۔اس کے قتل کی کوشش ہوتی ہے ۔اس کی ذہانت اس کا جرم ہے ۔اور یہاں ناول میں یہ تبصرہ کنول کماری کے کردار کے تناظر میں مردانہ نفسیات کی تفہیم کے حوالے سے جمیلہ ہاشمی کا نکتہ نظر سمجھنا چاہیے ۔

> ''مرد ذہین عورتوں کو کوئی اچھا مقام نہیں دیتے ۔وہ عورتوں کے ذہن کی تعریف کرتے ہوئے انہیں اس جماعت سے خارج کر دیتے ہیں جو ان کے معاشرے کا نصف سے بھی زیادہ حصہ ہیں۔ ذہین عورتیں ،مردوں کے پہلو میں کانٹے کی طرح چبھتی ہیں اور جب کانٹے کی خلش سے تنگ آجاتے ہیں تو اسے نکالنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔'' ۲۳

مرد خود کو عورت پر فوقیت دیتا ہے اس سلسلے میں یہ دلچسپ نکتہ بھی سامنے لایا گیا ہے کہ ''اس مسئلے کو نجی سے زیادہ نسلی سمجھنا چاہیے کوئی مرد شعوری طور پر عورت کی اہمیت کو تسلیم کر بھی لے تو لاشعوری طور پر اسے کم تر ضرور سمجھے گا۔'' ۲۴

کنول کماری مختلف بے بس لڑکیوں کے انجام دیکھ کر اس نتیجے پر پہنچتی ہے کہ دُنیا کے بھگوان ،یعنی مرد اس قابل نہیں ہیں کہ ان کے آگے سر جھکایا جائے۔ وہ بھگوان کو مخاطب کر کے کہتی ہے کہ ''دھرم کے ساتھ ساتھ میں نے دُنیا کا بھی پالن کیا ہے، پر ہر جگہ خالی دل ہیں، خالی نگاہیں ہیں ۔پجاری بھی اتنا ہی اندھا ہے، جتنا کتابیں پڑھانے والا ۔اے بھگوان !روشنی کہیں نہیں ہے، کہاں جاؤں؟'' ۲۵

جمیلہ ہاشمی جس انسان کی تلاش میں ہیں وہ کسی نظریاتی وابستگی کی متعصب زنجیروں میں جکڑا ہوا نہیں۔ مذہب و ملت کے فرق سے ہٹ کر وہ انسان کی بطور انسان شناخت پر زور دیتی ہیں۔ ایک مکمل غیر جانبداری ان کی تحریروں کا مرکزی مقصد نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ناولوں کے مرکزی کرداروں میں سکھ، ہندو، عیسائی کرداروں کی تعداد مسلمان کرداروں سے کسی طور کم نہیں ہے۔ آتش رفتہ ہو یا روہی یا تلاشِ بہاراں، ہر جگہ یہی التزام رکھا گیا ہے۔ ان کے ناولوں میں جہاں نسلی یا مذہبی تفاوت انسانی قتل و غارت کا باعث بنتا ہے وہ سراپا احتجاج نظر آتی ہیں۔ متعصب 'مذہبی کارندے' ان کی نفرت کے حقدار ٹھہرتے ہیں۔ ''انسان تیزی سے ہندوستان میں ہندو اور مسلمان بن رہے تھے ۔بھگوان کی مورتی کے سامنے جھکنے والے نفرت کا پرچار کر رہے تھے۔ خدا کی حمد وثنا کرنے والے اور مسجد کے بلند میناروں پر چڑھنے اور اذانیں دینے والے زہر گھول رہے تھے۔'' ۲۶

کنول کماری فرقہ واریت کے اس پھیلتے زہر کو روکنے کے لیے ہمہ تن سرگرمِ عمل ہے وہ دوسری

لڑکیوں کو بھی ہمت دلاتی ہے کہ وہ معاشرے کے جسم میں پھیلتے اس تعصب کے سرطان کو روکیں۔ ''ہم صرف اور صرف انسان ہیں۔ خدا بھی اتنا ہی رحیم و کریم ہے جتنا کرشن ہے ۔بھگوان بھی وہی پیغام لائے تھے جو مسلمانوں کے مذہب کی بنیاد ہے۔''۲۷

''تلاش بہاراں '' کی کنول کماری آدرشی انسان کی نمائندہ کردار ہے۔ ڈاکٹر عبدالسلام نے اس کے کردار میں نسائیت کی گنگناتی کیفیت کی کمی پر نکتہ چینی بھی ہے کہ ''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ عورت نہیں بلکہ کوئی دیوی ہے جو عورت ذات کی اصلاح کے لیے زمین پر اتر آئی ہے''۲۸ انسائیت جو عورت مرد کے رشتے میں محصوص جذباتی کیفیات کی مظہر ہے کنول کماری میں اس کی عدم موجودگی اپنی جگہ لیکن اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ آدرشی انسان اپنے رہن سہن اور اظہارِ جذبات میں عام لوگوں سے یکسر مختلف ہوتا ہے ۔ یہ فرق ہی اس کو دوسرے لوگوں سے ممتاز کرتا ہے اور اس امتیاز کے حصول کے لیے وہ اپنی ذات کی کچھ سمتوں کی قربانی دیتا ہے ۔کنول کماری بھی اسی طبقے سے تعلق رکھتی ہے اور جمیلہ ہاشمی تمام ناولوں کے مرکزی کردار آدرشی ہیں اور کنول کے طرزِ زندگی سے ہٹ کر کسی مقصد کے لیے سرگرداں دکھائی دیتے ہیں ۔ان کے ناولٹ ''آتش رفتہ'' میں دادی کا کردار آدرشی ہے، جو ایک انتقام کی خاطر عمر بھر مشقت کرتی ہے اور جب مقصد حاصل ہو جاتا ہے سکوں کی بھری نیند سو جاتی ہے۔ قرۃ العین طاہرہ اپنے آدرش کی خاطر جان پر کھیل جاتی ہے اور حسین بن منصور حلاج کی پسلیوں میں بھی آدرش کی آگ ہے۔ کنول کماری بھی اپنے آدرش کو زندگی کا متبادل لفظ سمجھتی ہے اور اس کے لہجے کا وثوق اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے جب وہ کہتی ہے کہ ''زندگی کی بنیادیں بدلنے کی ضرورت ہے، کام کی اور کوشش کی ضرورت ہے۔ عام ذہنی سطح کو بدلنے کی ضرورت ہے اور میں یہ کام کروں گی۔'' کنول کماری کا کردار جمیلہ ہاشمی کے ہمزاد کے طور پر بھی دیکھا جا سکتا ہے کیوں کہ خود جمیلہ ہاشمی نے اپنے ناولوں کے ذریعے مذہبی منافرتوں، پیڑھی در پیڑھی چلتے انسانی قتل پر مبنی بیروں، معاشرتی گھٹن اور عدم برداشت کے رویوں کے خلاف عمر بھر لکھا۔

حوالہ جات:

۱۔ سہیل احمد خاں، ڈاکٹر، مجموعہ سہیل احمد خاں، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء)، ص: ۴۲۶

۲۔ ایضاً، ص: ۴۲۳

۳۔ اسلوب احمد انصاری، اُردو کے پندرہ ناول، (لکھنؤ: یونیورسل بک ہاؤس، ۲۰۰۳ء)، ص: ۳۲۴

۴۔ سہیل احمد خاں، ڈاکٹر، مجموعہ سہیل احمد خاں، ص: ۹۲۶

۵۔ ایضاً، ص: ۴۲۷

۶۔ اسلوب احمد انصاری، اُردو کے پندرہ ناول، ص: ۳۲۵

۷۔ ایضاً، ص: ۳۵۲

۸۔ ایضاً، ص: ۳۵۶

۹۔ ایضاً، ص: ۳۵۸

۱۰۔ جمیلہ ہاشمی، دشتِ سوس، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء)، ص: ۲۰۳

۱۱۔ ایضاً، ص: ۲۰۲

۱۲۔ ایضاً، ص: ۴۸۸۔ ۴۸۹

۱۳۔ ایضاً، ص: ۳۱۸

۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ ایضاً، ص: ۱۴۹

۱۶۔ ناہید قمر، ڈاکٹر، اُردو فکشن میں وقت کا تصور، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۸ء)، ص: ۸۷

۱۷۔ جاوید اقبال، خطباتِ اقبال، (کراچی: اُردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۷۰ء)، ص: ۱۶۴

۱۸۔ اسلم سروہی، جمیلہ ہاشمی شخصیت و فن، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۳ء)، ص: ۶۰

۱۹۔ جمیلہ ہاشمی، تلاشِ بہاراں، (کراچی: اُردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۷۰ء)، ص: ۱۶۴

۲۰۔ ایضاً، ص: ۲۱۸

۲۱۔ اسلم سروہی، جمیلہ ہاشمی شخصیت و فن، ص: ۴۸

۲۲۔ جمیلہ ہاشمی، تلاشِ بہاراں، ص: ۹۴

۲۳۔ ایضاً، ص: ۲۱

۲۴۔ اسلم سروہی، جمیلہ ہاشمی شخصیت و فن، ص: ۹۱

۲۵۔ جمیلہ ہاشمی، تلاشِ بہاراں، ص: ۹۱

۲۶۔ ایضاً، ص: ۳۸۲

۲۷۔ ایضاً، ص: ۱۴۰

۲۸۔ عبدالسلام، ڈاکٹر، تقسیم کے بعد اُردو ناول، مشمولہ نگار: اصناف ادب نمبر، ۱۹۶۶ء، ص: ۹۶

مآخذ

۱۔ اسلم سروہی، جمیلہ ہاشمی شخصیت و فن، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۳ء۔
۲۔ اسلوب احمد انصاری، اُردو کے پندرہ ناول، لکھنؤ: یونیورسل بک ہاؤس، ۲۰۰۳ء۔
۳۔ جاوید اقبال، خطباتِ اقبال، کراچی: اُردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۷۰ء۔
۴۔ جمیلہ ہاشمی، دشتِ سوس، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء۔
۵۔ سہیل احمد خاں، ڈاکٹر، مجموعہ سہیل احمد خاں، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء۔
۶۔ عبدالسلام، ڈاکٹر، تقسیم کے بعد اُردو ناول، مشمولہ نگار: اصناف ادب نمبر، ۱۹۶۶ء۔
۷۔ ناہید قمر، ڈاکٹر، اُردو فکشن میں وقت کا تصور، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۸ء۔

☆☆☆